اصول اخذ حدیث اور فقہاء ومحدثین کا طریقہ کار

مسز منزہ مصدق *

امام اعمش کا یہ تاریخی جملہ کہ "فقہا اطباء ہیں اور ہم دوا فروش" دراصل محدث اور فقیہ کے درمیان کام کی نوعیت کے لحاظ سے فرق کو ظاہر کرتا ہے۔ محدثین نے روایات جمع کیں اور فقہا نے ان احادیث سے مسائل کا استنباط کیا۔ گویا فقہاء اور محدثین میں ایک ربط بھی ہے اور فرق بھی فقہاء اور محدثین کے باہمی ربط کو شاہ ولی اللہ نے یوں بیان کیا ہے۔ "علم الحدیث کے کچھ طبقات ہیں اور اس میں فن کاروں کے کچھ مراتب ہیں۔ ایک درجہ چھلکے اور سیپی کا ہے اور دوسرا مغز اور موتی کا ہے۔ علماء نے دونوں کی خدمت کی ہے۔ علم حدیث میں چھلکے اور سیپی کے درجے کی چیز حدیثوں کو صحت وضعف اور غرابت وشہرت کی حد تک جاننا ہے۔ یہ خدمت محدثین نے سرانجام دی۔ علم حدیث کا ہی ایک فن یہ بھی ہے کہ اس کے معانی شرعیہ کو سمجھا جائے۔ اس سے احکام جزئیہ مستنبط کیئے جائیں۔ عبارت، دلالتہ اشارۃ ومفہوم کی بنیاد پر منصوص حکم پر غیر منصوص کو قیاس کیا جائے۔ منسوخ ومحکم، مرجوح ومبرم کا پتہ رگایا جائے حدیث کا یہ فن موتی اور مغز کی حیثیت رکھتا ہے اور اس فن کی خدمت کرنے والے فقہاء اور مجتہدین ہیں" (۱)

علامہ خطابی نے بھی حدیث وفقہ میں اس سے بھی زیادہ لطیف ربط وتعلق بتایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"حدیث کی حیثیت مکان کی اساس و بنیاد ہے اور فقہ اس بنیاد پر اٹھی ہوئی عمارت کا نام ہے۔ جو عمارت بغیر بنیاد کے بنائی جائے۔ اس میں استحکام نہیں ہوتا اور صرف بنیادیں بغیر عمارت کے خراب اور چیل میدان ہوتا ہے۔" (۲)

ابوبکر الحازمی نے لکھا ہے۔

احادیث میں ایک دوسری کو باہم ترجیح دینا یہ فقہاء کا کام ہے۔ کیونکہ ان کا پیش بہا

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، آزاد جموں وکشمیر یونیورسٹی۔

احادیث میں احکام کو ثابت کرنا ہوتا ہے۔اوراس موضوع پر ان کی جولان گاہ کی وسعتیں اور پہنائیاں بے حد ہیں'' (۳) ان اقوال سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے اخذ حدیث کے ضمن میں کہ فقہاء اور محدثین کا دائرکار الگ الگ ہے۔لیکن اس کے باوجود ان کے طریقہ کار میں ایک ربط بھی ہے۔

تیرہوی صدی ہجری میں محدثین اور فقہاء نے اخذ حدیث کے ضمن میں اپنے اپنے طریقہ کار کا تعین کیا۔صحت حدیث کے لیے اصول وقواعد اور قوانین بنانا اگرچہ محدثین کا کام ہے۔تو قبولیت کے لیے شرائط وقواعد مرتب کرنا ارباب اجتہاد اور فقہاء کا کام ہے۔

اخذ حدیث کے ضمن میں محدثین کا طریقہ کار۔

تحقیق وتنقید کے لحاظ سے حدیث کے دو جز ہیں متن اور سند متن پر گفتگو کا تعلق داخلی نقد اور سند پر گفتگو کا تعلق خارجی نقد سے ہے۔خارجی نقد میں راوی کے احوال کے لحاظ سے حدیث کی تحقیق و درجہ بندی ہوتی ہے۔اور داخلی نقد میں، الفاظ، معنی اور مفہوم کے لحاظ سے تحقیق وتحل کی تعین ہوتی ہے۔(۴)

مسلمانوں نے فن حدیث میں خارجی نقد کے اصول وقوانین مقرر کیئے کہ تاریخ کے ناقدین کا ذہن وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔(۵)

خارجی نقد کے سلسلے میں اسناد کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔اور جب بد باطن لوگوں نے اپنے اپنے عقائد کو ثابت کرنے کے لیے احادیث وضع کرنی

شروع کیں۔تو سند، حدیث کی روایت کے لیے لازمی شرط قرار دے دی گئی۔اور علم اسناد الحدیث کی وجہ سے ہی فن اسماء الرجال وجود میں آیا۔اس فن کی تدوین کی وجہ سے لاکھوں افراد کے حالات مدون ہو گئے۔راویوں کے اوصاف اور سلسلہ سند کے اتصال وانقطاع کی وجہ سے احادیث کی متعدد اقسام ہو گئیں۔ان تمام اقسام کا ذکر اصول حدیث کی کتابوں میں تفصیل سے ملتا ہے۔(۶) اس لیے اس سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔

اخذ حدیث کے ضمن میں محدثین نے خارجی نقد کے ساتھ ساتھ داخلی نقد کے بھی اصول و قوانین مقرر کیے۔ان اصول وقوانین کا ذکر تقی امینی (۷) مولانا شبلی نعمانی (۸) اور ملا علی قاری (۹)

نے اپنی کتاب میں تفصیل سے کیا ہے۔ یہاں طوالت کی وجہ سے ان اصول وقوانین کو بیان کرنے سے اجتناب کیا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ محدثین نے حدیث کی روایت ودرایت کے جن اصولوں کا تعین کیا ان کو بنیاد بنا کر فقہا نے احادیث سے احکام کے استنباط کی راہ ہموار کی۔

اخذ حدیث کے ضمن میں فقہا کا طریقہ کار۔

عہد نبوی اصحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے بعد ایک دور ایسا آیا جب حدیث اور فقہ کے مفہوم میں فرق کیا جانے لگا۔ اس ضمن میں اردو دائرہ معارف اسلامیہ کا مقالہ نگار لکھتا ہے۔

''اس زمانے میں علم اور فقہ کے مفہوم میں فرق کیا جانے لگا۔ علوم کے معنی روایت یا معرفت نصوص قرار پائے اور فقہ کے معنی درایت یا نصوص سے استنباط احکام کا ملکہ ہو گئے۔ (۱۰) اس طرح اس دور میں اہل علم کے دو طبقے ہو گئے ایک وہ جن کا کام احادیث جمع کرنا، انہیں حفظ کرنا اور ان کی اسناد سے بحث کرنا تھا۔ لیکن انہیں اس امر سے کوئی سروکار نہ تھا کہ ان احادیث سے کیا کیا مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ جبکہ دوسرا طبقہ ان علماء کا تھا جو احادیث وآثار جمع کرتے۔ ان کی چھان پھٹک کرتے۔ تشریعی احادیث الگ کرتے۔ اور ان میں سے ناسخ ومنسوخ میں فرق کرتے۔ اور پھر ان سے مسائل کا استخراج کرتے۔ (۱۱)

مسائل کے استخراج سے پہلے چونکہ ان روایات کے اخذ وقبول کا مرحلہ تھا۔ اس لیے فقہا نے اس مقصد کی خاطر چند بنیادی اصول وقوانین وضع کر لیے۔ ان اصولوں پر مختصراً بات کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

سند میں اتصال وارسال۔

ائمہ حدیث کے نزدیک، حدیث صحیح کے لیے ضروری ہے کہ اس کی سند میں اتصال ہو۔ حافظ ابن الصلاح اور حافظ زین الدین عراقی نے حدیث صحیح کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔ ''الصحیح ما تصل سندہ بنقل عدل ضابط من مثلہ من غیر شذوذ ولا علۃ قادحۃ۔ (۱۲)

حدیث وہ ہے جس کی سند میں اتصال ہو جس کا ہر ایک راوی عادل وضابط ہو۔ اور جس میں شذوذ اور

علت قادحہ نہ ہو۔اس تعریف کی رو سے وہ حدیث جس کی سند میں انقطاع ہو وہ محدثین کے نزدیک ضعیف کہلائے گی۔لہذا محدثین نے حدیث مرسل کو اپنے اصول کے مطابق ضعیف قرار دے کر نا قابل استدلال قرار دیا۔اس دور میں اتصال وارسال میں اسنادی وسائط کم ہونیکی وجہ سے کوئی فرق نہیں پڑتا اس لیے مسانید کی طرح مراسیل بھی قابل حجت تھیں۔

''جہاں تک مراسیل کا تعلق ہے تو معلوم ہونا چاہیے کہ ان کو اسلاف، متقدمین مثلاً سفیان ثوری، امام مالک اور امام اوزاعی سب ہی قابل استدلال سمجھتے ہیں۔ تا آنکہ امام شافعی آئے اور انہوں نے مراسیل کی حجیت پر کلام کیا اور امام احمد نے اس ضمن میں ان کی پیروی کی۔(۱۳)

ضبط راوی۔

علماء حدیث وفقہاء حدیث کے راوی کے لیے ضروری قرار دیتے ہیں کہ وہ ضابط ہو اور ثقہ وعادل ہو۔امام ابوحنیفہ حدیث کے صحیح ہونے کے لیے یہ شرط لگاتے ہیں۔بقول مولانا محمد علی صدیقی کاندھلوی کہ راوی کا ضبط اسی درجہ قوی ہو کہ سننے کے بعد سے بیان کرنے کے وقت تک اسے برابر یاد رہے اگر یاد نہ رہے تو اس کو روایت کرنا درست نہیں سمجھتے۔(۱۴)

امام نووی نے ضبط کے حوالے سے امام مالک اور امام ابوحنیفہ کا مسلک ان الفاظ میں بتایا۔

فمن المشددین من قال لا حجة الا فیما رواه من حفظه و تذکره روی عن مالك و ابی حنیفه (۱۵) ضبط کے سلسلے میں انتہائی احتیاط برتنے والے کا مؤقف یہ ہے کہ جو راوی اپنی روایت کا پوری طرح حافظ نہ ہو اس کا تحدیث جائز نہیں امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا یہی مسلک ہے۔

شہرت وتواتر:

علمائے فقہاء کے ہاں حدیث کے رواۃ میں تواتر کی شرط بھی ہے۔احادیث کی حفاظت و روایت کا، وہ اہتمام نہیں کیا گیا جو قرآن کے بارے میں کیا گیا لہذا فقہاء میں سے امام مالک اور امام ابو حنیفہ قبول روایت میں کافی محتاط ہیں امام عبدالوہاب شعرانی لکھتے ہیں:" قد کان الا مام ابو حنیفه یشترط فی الحدیث المنقول عن رسول الله ﷺ قبل العمل به ان یر

ویہ عن ذلك البصحابی جمعہ التقیاء عن عن مثلهم و هکذا (۱۶) امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے علاوہ باقی فقہاء کے ہاں تواتر کی شرط اتنی شدت کے ساتھ نہیں پائی جاتی۔

سماع وقرأة:

علماء حدیث کے ہاں اخذ اور تحمل کے جو طریقے متداول ہیں۔ ان میں بنیادی طریقے دو ہیں۔ ایک طریقہ سماع کا ہے۔ جس کو قرأۃ الشیخ بھی کہتے ہیں۔ سماع یہ ہے کہ راوی اپنے شیخ سے روایت سنے اور اسے ضبط کرے۔ شیخ اپنے حافظہ سے بیان کرے یا مخطوطہ سے اس میں کوئی قید نہیں ہے۔ حافظ زین الدین العراقی اس کی تعریف یوں کرتے ہیں۔" سواء " حدث من کتا به اور من حفظه با ملاء اور بغیر املاء (۱۷)

شیخ اپنے مخطوطہ سے تحدیث کرے یا حافظہ سے دونوں برابر ہیں راوی اپنے پاس کتابۃ ضبط کرے یا بالصدر ضبط کرے دونوں جائز ہیں۔ اس ضمن میں امام نووی لکھتے ہیں۔

انه مذهب الزهری و مالك و ابن عینیه و یحی القطان و البخاری و جماعة المحدثین و معظم الحجاز بین و الکو فین۔ (۱۸)

امام زہری۔ امام مالک، امام ابن عینیہ، امام یحیٰی القطان امام بخاری، اور کوفہ کے جمہوری علماء اور محدثین کی ایک جماعت سماع اور قرأۃ کو حکما ایک درجہ دینے کے قائل ہیں۔

روایت باللفظ:

روایۃ بالفظ اور بالمعنی کے سلسلے میں علماء حدیث کے اقوال مختلف ہیں بالمعنی۔ خطیب بغدادی لکھتے ہیں:

''سلف کی اکثریت اور محدثین کہتے ہیں کہ روایۃ بالمعنی جائز نہیں بلکہ نہایت ضروری ہے کہ روایت باللفظ ہو۔ اس میں کسی قسم کی کمی بیشی اور کسی طرح کی تقدیم وتاخیر نہ کی جائے۔ اسی موضوع پر کچھ روایات پہلے آچکی ہیں۔ ان اکابر نے عالم اور غیر عالم میں اس پہلو سے کوئی فرق روانہیں رکھا ہے۔ (۱۹)

علماء کی ایک جماعت کا مسلک یہ ہے کہ روایۃ بالمعنی مطلقاً جائز نہیں۔ امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے۔ روایۃ باللفظ کے سلسلے میں امام بوحنیفہ امام مالک اور ان کے معاصرین نے جو مئوقف

اختیار کیا وہ دراصل انتہائی احتیاط پر مبنی ہے۔ ان حضرات کے دور میں کیونکہ حدیثی روایات سے استنباط و استخراج کا کام ہو رہا تھا۔ اس لیے ضرورت اسی بات کی تھی کہ ہر وقت روایت کو اچھی طرح جانچ لیا جائے۔(۴۰)

اہل ھوی کی روایات۔

روایت کے قبول وعدم قبول سے متعلق دوسری اور تیسری صدی ہجری کے محدثین کا اتفاق ہے کہ قبولیت روایت کے لیے اسلام اور عدالت شرط ہے۔ اور کافر کی حالت میں فاسق کی روایت مر دور ہے۔ اور اس میں اختلاف ہے کہ جو لوگ مسلمان ہوتے ہوئے اپنے مخصوص نظریات کے حامل میں مثلاً خوارج، شعیہ، معتزلہ، روافض اور مرجیہ وغیرہ ان کے مخصوص نظریات کے باوجود انہیں شرف قبولیت عطا کیا جا سکتا ہے یا نہیں اس سلسلے میں خطیب بغدادی نے علماء کے اختلاف پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔(۴۱)

شاز روایات:

محدثین نے صحیح حدیث کی تعریف میں شذوذ کی شرط بھی رکھی۔ شاذ کی تعریف کے ضمن میں محدثین میں اختلاف ہے۔ حافظ ابن کثیر نے ابو یعلی الخلیلی سے شاذ کی یہ تعریف نقل کی ہے۔

والذی علیه الحفاظ ان الشاذ مالیس له الا اسناد واحد یشذ به ثقه او غیر ثقه (۴۲) حفاظ کے نزدیک شاذ یہ ہے کہ اس کی صرف ایک ہی سند ہو اور اسی طرح ثقہ اور غیر ثقہ اس میں شذوذ پیدا کر رہا ہو"۔ امام حاکم نے شاذ کی یہ تعریف بتائی۔ هو الزی ینفرد به الثقه و لیمن له متا بع (۴۳) ثقہ راوی کا ایسا یگانہ بیان جس کا متابع کوئی نہ ہو شاذ کہلاتا ہے۔

امام ابو حنیفہ پر ایسی حدیث کو شاذ قرار دیتے جو اس موضوع پر آتی ہوئی دوسری حدیثوں اور تعانی قرآن کے خلاف ہو۔ حافظ ابن عبد البر نے امام اعظم کے نقطہ نظر کو بڑی اچھی طرح واضح کیا ہے(۴۴)

اخبار احاد:

محدثین کا مئوقف یہ ہے کہ اخبار احاد اس وقت تک قابل احتجاج نہیں ہوسکتی ہیں جب تک ان میں خاص خاص شرائط نہ ہوں۔ امام شافعی کے نزدیک خبر واحد حجت ہے۔ امام ابوحنیفہ کے لیے خبر واحد کے حجت ہونے کیلیے چند شرائط ہیں۔ علامہ شاطبی نے امام مالک کا مذہب بھی یہی بتایا۔ (۲۹) کہ خبر واحد اگر شریعت کے مسلم قاعدے کے خلاف ہو تو اس پر عمل کرنا جائز نہیں۔

اس طرح روایۃ بالا جازۃ اور احادیث کے درجات میں بھی ائمہ ایک مستقل مئوقف رکھتے ہیں۔ لیکن اس مختصر مقالہ میں ان پر بحث کی گنجائش نہیں۔ محدثین اور فقہا نے اخذ حدیث کے ضمن میں جن اصول وقوانین کا تعین کیا ان سے آگاہ ہو جانے کے بعد یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ فقہا اور محدثین نے ان روایات سے احکام کے استباط واستخراج کے لیے کیا طریقہ کار وضع کیا۔ اس پر روشنی ڈال لی جائے۔

اہل حدیث کا احکام سے استباط کا طریقہ کار:

اہل حدیث (۲۶) کا فقہی مسلک یہ رہا کہ وہ کسی امام مذہب کے توسط کے بغیر سنت سے براہ راست مسائل واحکام اخذ کرتے ہیں۔ اگر کوئی مسئلہ قرآن وسنت میں موجود نہ ہو تو پھر ایسے مسئلے کو بغیر کسی قید کے کسی ایک امام سے حاصل کر لیتے ہیں۔ بشرط وہ اقرب الی سنت ہو۔ چونکہ اہل حدیث تقلید شخصی کے قائل نہیں اس لیے جس امام کا قیاس یا فتویٰ سنت سے زیادہ قریب پاتے ہیں۔ اسے قبول کر لیتے ہیں۔ وہ صحیح حدیث کی موجودگی میں قول صحابی اور قول امام کو کوئی اہمیت نہیں دیئے ان کے خبر واحد بھی عقائد واعمال کے سلسلے میں حجت ہے۔ (۲۷)

اہل حدیث کے احکام سے استباط کے طریقہ کار کے بعد آئمہ اربعہ کا احادیث سے استدلال کے طریقہ کار پر بحث کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ تاکہ محدثین اور فقہا کے استدلال کے طریقہ کار کا فرق معلوم ہو سکے۔

امام ابوحنیفہ کا احادیث سے استنباط کا طریقہ کار۔

احادیث وروایات سے استدلال کے سلسلے میں ابوحنیفہ کا طریقہ کار یہ ہے کہ ایک مسئلہ سے متعلق تمام روایات کو جمع کیا جائے ان پر غور وفکر کر کے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی جائے کہ ان تمام فرمودات سے شارع علیہ السلام کی غرض وغایت کیا تھی اور مختلف مواقع پر مختلف یا متعارض ارشادات میں پیغمبر ﷺ کا منشاء کیا تھا۔ یہ بھی دیکھا جائے کہ رسول اکرم کا ترتیب زمانی کے اعتبار سے آخری عمل یا ہدایت کیا تھی۔۔۔امام ابوحنیفہ ان امور کے پیش نظر روایات میں اس انداز سے تطبیق وتوفیق پیدا کرتے کہ ساری روایات اپنے اپنے محمل پر منطبق ہو جاتیں اور کسی صحیح روایت کو چھوڑنے کی نوبت نہ آتی۔(۲۸)

۲۔ احادیث سے استدلال کے سلسلے میں امام ابوحنیفہ کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ آپ نے تشریعی اور غیر تشریعی احادیث میں امتیاز کیا، کتب حدیث میں اس فرق کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔

۳۔ فقہ حنفی میں عموماً احادیث کے مقابلے میں رائے اور قیاس کو ترجیح دی جاتی ہے اگر احادیث سے استدلال کیا جاتا ہے تو صحیح کی نسبت ضعیف پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ تاریخی حقائق کی روشنی میں یہ بات درست نہیں(۲۹)

۴۔ فقی حنفی کی تیسری بنیاد اقوال صحابہ ہیں۔

امام مالک کا طریق استدلال۔

امام مالک کے طریق فقہ میں کتاب وسنت کے بعد قیاس لائق اعتماد ہے۔ وہ اہل مدینہ کے تعامل اور اقوال صحابہ کو سند مانتے ہیں جہان یہ نہ ہوں وہ حدیث کے بعد دلیل خاص یا قیاس سے کام لیتے ہیں۔(۳۰)

امام شافعی کا طریق استدلال

۱۔ استنباط احکام میں شافعی قرآن مجید کے ظاہری معنوں پر اعتماد کرتے ہیں۔

۲۔ حدیث میں وہ خبر واحد پر عمل کرتے ہیں اور تعامل صحابہ پر بھی جن کی تائید حدیث سے ہوتی

۳۔ وہ اجماع کے قائل ہیں۔لیکن اس شرط پر کہ اس کے خلاف کا علم نہ ہو۔اور ظاہر ہے کہ یہ شرط سخت مشکل ہے۔

۴۔ وہ احناف کے استحسان اور مالکیوں کے استصلاح دونوں کے مخالف ہیں لیکن استدلال کو جائز سمجھتے ہیں جو قیاس ہی کی ایک شکل ہے۔(۳۱)

امام احمد بن حنبل اور ان کا طریق استدلال:

ان کے مسلک کا اہم ترین پہلو یہ ہے کہ وہ اجتہاد بالرائے کو بالکل نہیں مانتے اور فقط قرآن وحدیث کو سند مانتے ہیں۔طریقہ اہل حدیث میں ان کی اسی شدت کے باعث بعض لوگوں نے انہیں فقہیہ کی بجائے مجتہد کہا ہے۔ابن قیم نے ان کے مسلک کے پانچ اصول بتائے ہیں۔

۱۔ قرآن وحدیث

۲۔ صحابہ کرام کے فیصلے

۳۔ صحابہ کرام کے اقوال (بشرط قرآن وحدیث کے مطابق ہوں)

۴۔ مرسل اور ضعیف حدیثیں بھی اول الزکر کے بعد سند رہیں۔

۵۔ اور قیاس صرف ناگزیر حالات میں (۳۲)

اخذ حدیث کے ضمن میں محدثین اور فقہاء کے طریقہ کار کی وضاحت کے بعد یہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔کہ محدثین اور فقہاء نے عملی طور پر اس طریقہ کار کا اطلاق احکام کے استنباط کے سلسلہ میں کس طرح کیا۔اس کی وضاحت کی جائے۔مندرجہ ذیل مثالوں سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ محدثین اور فقہاء نے اخذ حدیث کے ضمن میں عملی طور پر کیا طریقہ کار اختیار کیا۔؟

مثال نمبرا۔

حضرت ابو ہریرہ نے عبداللہ بن عباس سے یہ حدیث بیان کی الوضوء ممامست النار ولو من ثور اقط ۔(۳۳)

جس چیز کو آگ چھوئے اس کے کھانے سے وضوٹوٹ جاتا ہے۔اگر چہ پنیر کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔“

تو ابن عباس نے فرمایا کیا ہم چکناہٹ اور گرم پانی کے استعمال سے بھی وضو کریں۔

ابن عباس فقیہہ تھے۔ وہ حدیث کے متن سے حدیث کا محل متعین کرنا جانتے تھے۔ جبکہ حضرت ابو ہریرہ محدث تھے انہوں نے من وعن آنحضور ﷺ کی حدیث کو بیان کر دیا۔ اور آخر حدیث میں حضرت ابو ہریرہ کے الفاظ بھی اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اے میرے بھتیجے جب مجھ سے آنحضورؐ کی حدیث سنے تو زیادہ باتیں نہ بنا۔ (۳۴)

لیکن ابن عباس جو فقیہہ تھے۔ ان کے پیش نظر حدیث کا درایتی معیار تھا۔ اس لیے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے سوال کیا کہ کیا ہم چکناہٹ اور گرم پانی کے استعمال سے بھی وضو کریں۔ اور جیسا کہ فقہاء نے بیان کیا کہ یہاں پر وضو سے مراد کلی کرنا ہے۔ یہ محل متعین کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ حدیث کا ظاہری پہلو درایت کے خلاف تھا۔

مثال نمبر۲۔

عن ابی عباس قال قال رسول الله ﷺ العائد فی هبه کا لکب یعود الی قیئه (۳۵) حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ ہبہ دے کر واپس لینے والا ایسا ہے جیسے کتا، قے کر کے چاٹے۔

یہ حدیث امام بخاری اپنی صحیح میں دو طریق سے لائے ہیں۔ ایک بحوالہ سعید بن المسیب اور دوسری بحوالہ عکرمہ، دونوں حدیثوں کی وجہ سے امام بخاری نے پوری قطعیت کے ساتھ یہ فیصلہ دے دیا کہ ہبہ اور صدقہ دے کر واپس لینا کسی کے لیے روا نہیں۔

امام بخاری کا درجہ فقیہہ کی بہ نسبت محدث کا زیادہ ہے۔ انہوں نے حدیث ابن عباس کے صرف ظاہری پہلو کو دیکھا۔ اور ہبہ کی واپسی کے لئے حرمت کا فیصلہ کر دیا۔ لیکن امام ابو حنیفہ نے یہاں یہ نہیں دیکھا کہ قے سے تشبیہ دی ہے بلکہ بڑے گہرے غور کے بعد بتایا کہ قے واقعی ناپاک ہوتی ہے۔۔۔ بلکہ تشبیہ یہ ہے کہ ہبہ دے کر واپس لینے والا اس کتے کی طرح ہے جو قے کر کے چاٹے۔ ظاہر ہے کہ قے حرام ہے۔ لیکن کتے کیلئے حرام نہیں۔ کیونکہ حلت وحرمت کا تعلق تکلیف دینے سے ہے۔ اور کتا مکلف نہیں۔ اس لئے حدیث کی روح یہ ہے۔

۱۔ ہبہ کی واپسی مکروہ، اور خلاف اَدوی ہوگی

ii۔ اگر تشبیہ آدمی سے دی جاتی تو پھر ہبہ کی واپسی حرام ہوتی۔ کیونکہ آدمی کے لئے حرام ہے۔

iii۔ اور یہ کراہت بھی اس وقت ہے جب موہوب لہ ہبہ کنندہ کا قریبی رشتہ دار نہ ہو۔ اور موہوب لہ کی جانب سے ہبہ کنندہ کو اس کا کوئی بدل نہ ملا ہو۔ امام اعظم نے یہ دونوں شرطیں دو حدیثوں کو پیش نظر رکھ کر مقرر فرمائیں۔ رشتہ داری کی شرط نسائی میں آئے ہوئے استشناء الا الو الدین و لده (۳۶) سے اخذ کی اور بدل کی شرط دار قطنی اور ابن ابی شیبہ کی اس روایت سے لی۔

الر جل احق بهبته مالم يثب منها (۳۷)

ہبہ کا حق دار ہے جب تک اس کا بدل نہ پائے۔

امام بخاری نے بطور محدث کے حدیث کے ظاہری پہلو کو سامنے رکھ کر ہبہ کی واپسی کے لئے حرمت کا فیصلہ کر۔ یا جبکہ امام ابوحنیفہ نے بطور ایک فقہیہ کے حدیث کے متن کو سامنے رکھ کر مسائل احکام کا استخراج کیا۔

مثال نمبر۳

صاحب فقی الاخبار نے شیخین کے حوالہ سے اس حدیث کو نقل کیا۔

عـن ابـن عـمـر عـن الـنبی ﷺ قال المتبا يعان بالخيار مالم يتفرقا. (۳۸)

اس حدیث کی بناء پر فقہا نے یہ فیصلہ دیا کہ کاروباری زندگی میں اگر دو آدمیوں کے درمیان کوئی سودا ہو جائے تو بات چیت ختم ہو جائے۔ تو جب تک دونوں سودا کرنے والے ایک جگہ بیٹھے ہیں تو سودا توڑا جا سکتا ہے اور دونوں میں سے ہر ایک کو ایسا کرنے کا اختیار ہے۔ لیکن شاہ ولی اللہ جو خود فقیہ ہیں فرماتے ہیں:

فانه حديث صحيح روى بطرق كثيرة و تحمل به ابن
عمر وابو هريره من الصحابه ولم يظهر على الفقها
السعبه و معا صر يهم فلم يكو نو اليقو نون به
فراى مالك وا بو حنيفه هذا علة قا دحة فى الحديث(۳۹)

یہ حدیث صحیح ہے اور متعدد طریقوں سے مروی ہے۔اس پر صحابہ میں ابن عمر اور ابو ہریرہ نے عمل کیا۔لیکن یہ حدیث فقہاء سبعہ اور ان کے معاصرین میں ظاہر نہیں اس لیے فقہاسبعہ نے اس پر عمل نہیں کیا۔اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ نے فقہاسبعہ کے عمل نہ کرنے کے،کو اس حدیث کی صحت میں علت قادحہ سمجھا ہے۔''

امام محمد نے اس حدیث سے مندرجہ ذیل مسائل کا استنباط کیا ہے۔

اس ارشاد کا مطلب ہمارے نزدیک جیسا کہ ہمیں ابراہیم نخعی سے معلوم ہوا یہ ہے:

۱۔ اس میں تفرق سے تفرق اقوال مراد ہے

۲۔ جب بائع کہہ دے کہ میں نے بیچ دیا تو بائع کو رجوع کا اس وقت تک ہے جب تک خریدار یہ نہ کہہ دے کہ میں نے خرید لیا(۴۰)

۳۔ اگر مشتری کہہ دے کہ میں نے خرید لیا تو اسے رجوع کا حق اس وقت تک ہے جب تک بیچنے والا یہ نہ کہہ دے کہ میں نے بیچ دیا(۴۱)

امام ابوحنیفہ نے اس حدیث کی جو تعبیر کی اس کو حافظ ابن عبدالبر نے سفیان بن عنیہ کے حوالے سے یوں بیان کیا ہے۔

''میں نے امام ابوحنیفہ کے سامنے یہ حدیث پیش کی البیعان بالخیار مالم یتفر قاتو آپ نے فرمایا اگر سودا کرنے والے دونوں شخص کشتی میں سفر کر رہے ہوں تو ان میں افتراق کب ہو گا۔(۴۲) بقول محمد علی صدیقی کاندھلوی کے''ایک ہی بات میں حدیث کی روح سمجھا دی کہ تفرق سے مراد تفرق اقوال مراد ہے(۴۳)

محدثین نے اس حدیث کو صرف اسنادی نقطہ نظر سے دیکھا اور اتصال و عدالت کے ذریعے صحیح قرار دیا یعنی مالك عن نافع عن عبد الله بن عمر ۔اس حدیث کی سند کو علماء نے صحیح الاسناد قرار دیا جبکہ فقہا نے اس کو تعامل و تورات،اور سنت کی روشنی میں جانچا۔

مثال نمبر۴۔

عن ام عبد الله الد وسیه قالت قال رسول الله ﷺ الجمعه و اجبة

علی کل قریة و فی روایة فیها امام و ان لم یکن الا اربعة و فی روایة ثلاثة

(۴۴) جمعہ پڑھنا ہر بستی والوں پر واجب ہے۔ ایک روایت میں یہ شرط نقل ہوئی کہ جس میں امام موجود ہو۔ اگرچہ اس میں چار افراد ہی موجود ہوں اور دوسری روایت میں ہے اگرچہ تین افراد ہی موجود ہوں۔

اس حدیث کو امام دار قطنی نے تین سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے ایک سند میں معاویہ بن یحییٰ دمشقی آیا ہے جس کو دار قطنی اور دوسرے محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔۔۔ دار قطنی نے روایوں کے ضعف کے علاوہ اس کو منقطع بھی قرار دیا۔ اس لئے کہ اس کی تینوں سندوں میں زھری، ام عبداللہ الدوسیہ سے روایت کرتے ہیں۔ اور زہری کا سماع دوسیہ سے ثابت نہیں۔

یہ تو سند کے لحاظ سے محدثین کی تحقیق تھی فقہاء نے اس حدیث سے جو مسائل مستنبط کیے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ اس حدیث میں لفظ قریہ'' سے مراد بستی ہے جو قریہ جامعہ'' ہو۔ یعنی اردگرد کی بستیوں کا مرکزی مقام ہو۔ ایسی مرکزی بستی میں اگر تین یا چار افراد بھی مسجد میں جمع ہو جائیں تو حنفی فقہ کی رو سے جمعہ ادا ہو جاتا ہے۔

شاہ ولی اللہ کے الفاظ سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے۔

والا صح عندی انه یکفی اقل مایقال قریه اقول الخمسون یتقری بهم قریه (۴۵)

میرے نزدیک صحیح ترین قول یہ ہے کہ کم سے کم آبادی جس پر قریہ کا اطلاق ہوسکتا ہے وہ نماز جمعہ کے لیے کافی ہے۔۔۔ میری رائے تو یہ ہے کہ ۵۰ افراد سے بھی قریہ بن سکتا ہے۔

چنانچہ فقہا نے حدیث کے متن سے استدلال کر کے ''قریہ'' کے معنی کی وضاحت کر دی۔

مثال نمبر ۵

مثال کو بیان کرنے سے پہلے ایک نکتہ کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ کہ حدیث اور

روایت حدیث دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ جیسے قرآن اور روایت قرآن۔ فقہ کی بنیاد قرآن ہے نہ کہ روایت قرآن۔ اس لیے یہ بات ملحوظ خاطر رہنی چاہیے کہ فقہاء جس ضعیف حدیث سے استدلال کر تے ہیں۔ وہ ضعیف الاسناد تو محدثین تک پہنچنے میں ضرور ہوتی ہے مگر ضعیف المتن نہیں ہوتی۔ اتصال عمل کی کسی شاید صحیح کی، ظاہر قرآن کی اور بالآخر کثرت طرق کی اس حدیث کو تائید حاصل ہوتی ہے۔ (۴۶) اب مثال ملاحظہ کیجیئے۔

مسئلہ یہ ہے کہ نماز کی حالت میں اگر قہقہہ مار کر ہنسا جائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

اس موضوع پر احادیث مسندہ اور مرسلہ دونوں آئی ہیں احادیث مسندہ میں ابی موسی اشعری ، ابو ہریرہ، عبداللہ بن عمرہ انس بن مالک، عمران بن الحصین اور ابی الملیح کی احادیث آئی ہیں۔ لیکن ان میں کوئی روایت بھی صحت کے معیار پر پورا نہیں اترتی۔ اگر چہ حافظ ہیثمی نے اس کے رجال کی توثیق کی ہے۔ (۴۷) لیکن ان میں محمد بن عبدالملک مختلف فیہ ہے حدیث ابی ہریرہ سنن دارمی میں ہے مگر منقطع ہونے کے ساتھ ساتھ عبدالعزیز اور عبدالکریم کی وجہ سے ضعیف ہے۔ (۴۸)

بہر حال نماز میں قہقہہ سے وضو ٹوٹنے کے ضمن میں جتنی بھی احادیث آئی ہیں وہ مسند ہوں یا مرسل محدثین کے ہاں متکلم فیہ ہیں'' (۴۹)

اس کے باوجود عقلیت کا تقاضا ہے۔ اور قیاس بھی یہ چاہتا ہے۔ کہ قہقہہ سے وضو نہ ٹوٹے۔ امام ابوحنیفہ نے اس کے باوجود قیاس کی بنیاد پر قہقہ سے وضو ٹوٹنے کو قیاس کیا اور وضو کو ناقص قرار دیا جبکہ محدثین نے ان احادیث کو ضعیف قرار دیا۔ (۵۰)

مندرجہ بالا مثالوں سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آتی ہے کہ۔ محدثین نے اپنی عمریں صرف کر کے صحیح وغیر صحیح دونوں قسم کی احادیث مرتب کر دیں۔ تنقید کے اصول ہم کو بتا دیئے۔ محدثین کے قائم کردہ اصولوں پر فقہاء نے فقہ کی عمارت کی بنیاد اٹھائی۔ اگر محدثین حدیث کی چھان پھٹک نہ کر تے تو آج فقہاء فقہ کی اس عظیم الشان عمارت کی اساس اٹھانے میں کامیاب نہ ہوتے۔

مصادر و مراجع

۱۔ شاہ ولی اللہ ''حجۃ اللہ البالغہ'' دارالاشاعت کراچی ۱۹۸۱ء ج ا ص ۲

۲۔ علامہ خطابی ''معالم السنن''

۳۔ محمد علی صدیقی کاندھلوی ''امام اعظم اور علم حدیث'' انجمن دارالعلوم شہابیہ، سیالکوٹ، ص ۲۱۷

۴۔ ضیاالحسن فاروقی، شہرالحق (مرتبین) ''فکر اسلامی کی تشکیل جدید'' مقالہ تقی یعنی ''حدیث کا تنقیدی مطالعہ'' مکتبہ رحمانیہ لاہور ص ۱۰۷

۵۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، ج ۷/۹۶۰

۶۔ سعید اکبرآبادی، ''فہم القرآن'' ادارہ اسلامیات، ص ۱۰۵

۷۔ تقی امینی'' حدیث کا دوایتی معیار'' قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی، ص ۲۲۴، ۲۳۴، ۲۳۹، ۲۵۰

۸۔ ''سیرت النبی'' ج ا، سروسز بک کلب ۱۹۸۵، ج ا، ص ۳۹

۹۔ ملا علی قاری ''الموضوعات الکبریٰ'' مطبوعہ دہلی بحوالہ سیرت النبی شبلی، ص ۴۶

۱۰۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲/۱۶ ص ۵۰۴

۱۱۔ طفیل ہاشمی ''امام ابوحنیفہ کی مجلس تدوین فقہ'' علی مرکز راولپنڈی، ص ۲۹

۱۲۔ العراقی، عبدالرحیم بن الحسین، التقیید والایضاح'' دارالفکر ۱۹۸۱، ص ۲۳ نیز دیکھئے: المحقق، ۳/۱۱، علی اصغر چشتی ''امام ابوحنیفہ کے اصول اخذ تحدیث جنوری ۲۰۰۰ء، ص ۴

۱۳۔ التقیید والایضاح، ص ۳۔

۱۴۔ امام اعظم اور علم حدیث، ص ۵۲۰

۱۵۔ خطیب بغدادی ''تاریخ بغداد'' قاہرہ، ۱۹۳۱ ج ۳/۴۱۹

۱۶۔ عبدالوہاب شعرانی ''المیزان الکبریٰ'' ج ا، ص ۶۲

۱۷۔ توضیح الافکار، ج ۲، ص ۲۹۷

۱۸۔ سیوطی، جلال الدین ''تدریب الرادی شرح تقریب النووی'' طبع اولی باب الرحمۃ، مدینہ منورہ، ص ۲۴۴

۱۹۔ خطیب بغدادی ''الکفایہ فی علم الروایۃ'' حیدرآباد، ۱۳۵۷، ص ۱۹۸

۲۰۔ ''امام ابوحنیفہ کے اصول اخذ وتحدیث'' ص ۱۰۔

۲۱۔ ''الکفایہ فی علم الروایۃ، ص ۱۲

۲۲۔ ابن کثیر ''اختصار علوم الحدیث'' دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان ص ۵۷

۲۳۔ امام حاکم ''معرضۃ علوم الحدیث'' تحقیق معظم حسین، بیروت ص ۱۱۹

۲۴۔ بحوالہ امام اعظم اور علم حدیث، ص ۵۵۸

۲۵۔ شاطبی، ''الموافقات'' مطبعہ رحمانیہ مصر ج ۲۱/۴

۲۶۔ اہل حدیث سے مراد یہاں پر محدثین کا احکام مستنبط کرنے کا طریق کار ہے۔

۲۷۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج، ص ۲/۱۶، ۴۰۵

۲۸۔ ''امام ابوحنیفہ کی مجلس تدوین فقہ'' ص ۶۲

۲۹۔ تفصیل کے لئے دیکھئے ''امام ابوحنیفہ کی مجلس تدوین فقہ'' ص ۶۲-۶۴

۳۰۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲/۱۶، ص ۴۱۱

۳۱۔ ایضاً ص ۴۱۳

۳۲۔ حافظ ابن قیم ''اعلام الموقعین'' اہل حدیث اکیڈمی کشمیری بازار لاہور ج ۱، ص ۲۳، ۲۴

۳۳۔ ابن، ماجہ ''سنن ماجہ'' حدیث الوضوء مما غیرت النار محقق، فوائد عبدالباقی ج ۱، ص ۲۳، ۲۴

۳۴۔ حدیث کا روایتی معیار، ص ۱۸۳۔

۳۵۔ محمد بن علی الشوکانی ''فتح القدیر'' دار الفکر للطباعہ والنشر والتوازیع، بیروت ۱۹۸۱، ج ۱، ص ۱۹۸

۳۶۔ ''سنن نسائی'' الطبعہ الاولی، ناشر مکتب المطبوعات اسلامیہ بحلب ج ۲۶۵/۶

۳۷۔ سنن دارقطنی، ج ۴۳/۱۳

۳۸۔ شوکانی، محمد بن علی ابن محمد ''نیل لاطار شرح منتقی الاخبار''، دارالجیل بیروت، ج ۵، ص ۱۵۷

۳۹۔ شاہ ولی اللہ ''الانصاف فی بیان سبب الاختلاف'' علماء اکیڈمی محکمہ اوقاف، پنجاب، لاہور، ص ۲۰۔

۴۰۔ امام محمد حسن شیبا ''موطا'' مسلم اکیڈمی محمد نگر لاہور، ص ۴۲۳

۴۱۔ حوالہ محمولہ بالا

۴۲۔ بحوالہ امام اعظم اور علم حدیث، ص ۶۵۲

۲۳۔ ایضاً

۴۴۔ علی بن عمر دارقطنی، سنن دارقطنی عالم الکتب بیروت، ج ۲، ص ۸، ۹

۴۵۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ

۴۶۔ امام اعظم اور علم حدیث، ص ۶۰۲

۴۷۔ حافظ ہیثمی ''مجمع الزوائد ومنبع الفوائد'' موسۃ المعارف بیروت، ۲۵۱/۱

۴۸۔ امام اعظم اور علم حدیث، ۶۵۷

۴۹۔ ایضاً۔

۵۰۔ ایضاً۔

****